لفظ وصیّت اور علمائے لغت

از:۔۔۔ مولانا محمد قاسم صاحب مظفرپوری شیخ الحدیث مدرسہ رحمانیہ سوپول دربھنگہ

لغت میں وصیت کے کیا معنیٰ ہیں ۔۔۔۔۔ اس بارے میں علمائے لغت کے مختلف انداز بیان ہیں۔ مصباح میں ہے کہ بٍ کے صلہ کے ساتھ عہد لینا، کسی کام کا اشارہ کرنا۔ اور اِلیٰ کے صلہ کے ساتھ حکم دینے کے معنیٰ کو بتلاتا ہے ۔۔۔۔۔ اور لٍ کے صلہ کے ساتھ مالک بنانے کے معنیٰ کو ظاہر کرتا ہے ۔۔۔۔۔ جیسے: وصیۃ لہٗ بعد موتی ۔۔۔۔۔ اور ب کے صلہ کے ساتھ مہربانی کے مفہوم کے لیے آتا ہے۔ جیسے وصینا الانسان بوالدیہ ۔۔۔۔ باب تفاعل میں ایک دوسرے کو وصیت کرنا۔ اتوصی کے معنیٰ وصیت قبول کرنا۔

الوصیۃ : جس چیز کی وصیت کی جائے اس کو بھی وصیت کہتے ہیں۔

الوصیۃ : کھجور کی وہ شاخ جس سے گٹھا باندھا جاتا ہے اسے بھی کہتے ہیں۔

غیاث اللغات میں ہے کہ وصیت اندازکردن عازم سفر یا شخصے قریب الموت دوست خود را کہ بعد من چناں و چنیں باید کرد۔ یعنی کسی سفر پر جانے والے کا پند و نصیحت کرنا اور قریب الموت شخص کا کسی دوست کو یہ کہنا کہ میرے بعد ایسا ایسا تصرف کیا جائے۔

صراح میں وصیت کے معنیٰ پند و نصیحت کرنے کے مذکور ہیں اور حدیث میں استوصوا بالنساء خیرا فانهن عوان میں اسی معنیٰ کا لحاظ ہے۔

وصایا اللّٰہ احکام خداوندی کو بھی کہا جاسکتا ہے۔ قریب قریب منتہی الارب میں بھی یہی تفصیل مذکور ہے۔

علامہ ابن نجیم جن کو ابو حنیفہ ثانی کہتے ہیں اپنی شرح البحر الرائق میں لفظ وصیت کے ذیل میں لکھتے ہیں

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

قال بعض المتاخرین ثم الوصیۃ والتوصیۃ وکذا الایصاء فی اللغۃ

طلب فعل من غیرہ لیفعلہ فی غیبتہ حال حیاتہ او بعد وفاتہ۔(۱)

یعنی کسی دوسرے سے تصرف فعلی کا مطالبہ کرنا کہ وہ اس کی عدم موجودگی میں اس کام کو کرے۔

وصیت کا مفہوم شرعی

ائمہ فقہ نے وصیت کے شرعی معنی کی تشریح کے لیے مختلف تعبیریں ذکر فرمائی ہیں۔ علامہ ابن نجیم نے بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں یہ تعبیر اختیار فرمائی ہے:

وفی الشریعۃ (الوصیۃ تملیک مضاف لما بعد الموت) بطریق التبرع سواء کان ذلک فی الاعیان او فی المنافع کذا فی عامۃ الشروح۔

پھر اس تعریف پر ناقص کا حکم لگاتے ہوئے لکھتے ہیں:

ھذا التعریف لیس بجامع لانہ لایشتمل حقوق اللہ تعالٰی والدین الذی فی ذمتہ۔

اس لیے علماء کی رائے یہ ہے کہ وصیت کی تعریف میں یہ تعبیر اختیار کی جائے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے مطالبہ سے بری الذمہ ہونے کے لیے کسی کو مالک و مختار بنا دیا جائے۔

ایضاح میں وصیت کی تعریف اس طرح کی گئی ہے کہ

ان الوصیۃ ھی ما اوجبہ الانسان فی مالہ بعد موتہ او فی مرض موتہ

یعنی انسان اپنے مال میں کوئی ایسا تصرف واجب کرے جو اس کے مرنے کے بعد یا مرض الموت میں مبتلا ہونے کے بعد جاری ہو۔ (۲)

عام طور پر ایک مختصر عبارت سے اس عنوان کا تعارف کتب فقہ میں ملتا ہے:

وھو تملیک مضاف الی بعد الموت۔

علامہ شامی نے وصیت کے جملہ طریقہ استعمال پر بحث کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ وصیت کا

(۱) البحر الرائق ۸/۴۰۳ (۲) ایضاً ۸/۴۰۳

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

استعمال با، الی اور لام کے صلہ کے ساتھ ہوتا ہے جس کے معنی وصی مقرر کرنا اور جب الی کے ساتھ ہو تو تملیک مال کے لیے آتا ہے۔

پس وصیت شرعی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی اپنی عین شئی کو یا اس سے حاصل ہونے والے منافع و پیداوار کو تبرع و احسان کے پاکیزہ جذبہ سے کسی کو اس طرح مالک بنا دے کہ اس پر اس کی تنفیذ بعد الموت عمل میں آئے گی۔

آیات وصیت و توصیہ و ایصاء

قولہ تعالیٰ: ووصی بها ابراهيم بنيه ويعقوب (البقرہ)

اور اسی کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور اسی طرح یعقوب علیہ السلام بھی۔

شرع لكم من الدين ما وصى به نوحا والذى أوحينا اليك۔ (الشوریٰ)

اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کے واسطے وہی دین مقرر کیا جس کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس وحی کے ذریعہ سے بھیجا ہے۔

ام كنتم شهداء اذ وصاكم الله بهذا۔ (الانعام)

کیا تم حاضر تھے جس وقت تم کو اللہ نے یہ حکم دیا تھا۔

ذلكم وصاكم به لعلكم تعقلون۔ (الانعام)

تم کو یہ حکم کیا ہے تاکہ تم سمجھو۔

ذلكم وصاكم به لعلكم تذكرون۔ (الانعام)

تم کو یہ حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

ذلكم وصاكم به لعلكم تتقون۔ (الانعام)

یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم بچتے رہو۔

ولقد وصينا الذين اوتوا الكتاب من قبلكم واياكم ان اتقوا الله۔ (النساء)

اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب ملی تھی اور تم کو بھی کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

و وصینا الانسان بوالدیہ حسنا (العنکبوت)

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کا حکم دیا ہے۔

و وصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن (لقمان)

اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی ہے اس کی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اس کو پیٹ میں رکھا۔

وما وصینا بہ ابراھیم و موسیٰ وعیسیٰ ان اقیموا الدین (الشوریٰ)

اور جس کا ہم نے ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ اسی دین کو قائم رکھنا۔

و وصینا الانسان بوالدیہ احسانًا (الاحقاف)

اور ہم نے انسان کو اپنے ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم دیا ہے۔

واوصانی بالصلوٰۃ والزکوٰۃ مادمت حیًا۔ (مریم)

اور اس نے مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا جب تک میں زندہ رہوں۔

حکم وصیت یا وصیت للاقارب

اولاً حق تعالیٰ نے مال رکھنے والوں کو یہ تاکید فرمائی کہ مرنے سے پہلے لوگ اپنے مال اپنے اعزہ واقارب کے لیے وصیت کر جائیں تاکہ ان کا مال ان کے وارثوں کے درمیان رہے، لیکن جب وارثوں کے لیے وصیت کرنے میں عدل و اعتدال نہیں رہ سکا اور امزار و مزر کی صورت حال کا خطرہ رونما ہوا تو وارثوں کے لیے باقاعدہ تشریعی طور پر وہ عظیم الشان مبارک تفصیل آئی کہ میت کے ہر وارث کے حصہ کو حق تعالیٰ شانہ نے خود ہی انتہائی اہتمام سے بیان فرمادیا۔ اس طرح وصیت ماموره کا کلی بیان آیات میراث سے کر دیا گیا۔ لہٰذا آیت میراث اور اس کے ذریعہ نصف، ربع، ثمن، ثلث، ثلثان، سدس سہام و حصص کی تعیین و تفصیل سے وصیت کا اجمالی حکم اب پوری طرح نمایاں ہو گیا۔ اب کسی شخص کو وارث کے معاملہ میں حق تلفی یا من مانی وصیت کرنے کی گنجائش نہیں رہی۔

چنانچہ جس آیت کے ذریعہ مطلق وصیت للوالدین والاقارب کی فرضیت کا بیان یعنی کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین کے ذیل میں صاحب

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

روح المعانی سید محمود آلوسی لکھتے ہیں:

لما کان الموصی قد لایحسن التدبیر فی مقدار مایوصی لکل واحد منھم وربما کان یقصد المضارۃ تولیٰ بنفسہ بیان ذلک الحق علیٰ وجہٍ تیقن بہ انہ الصواب وان فیہ الحکمۃ البالغۃ وقصرہ علیٰ حدودٍ لازمۃ من السدس والثلث والنصف والثمن لایمکن تغیرھا فتحول من جھۃ الایصال الی المیراث فقال یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم ای الذی فوض الیکم تولیٰ شانہ بنفسہ اذ عجزتم عن مقادیرہ لجھلکم و لما بین بنفسہ ذلک الحق بعینہ انتھی حکم تلک الوصیۃ لحصول المقصود باقوی الطرق کمن امر غیرہ باعتاق عبدہ ثم اعتقہ بنفسہ فانہ بذلک انتھی حکم الوکالۃ۔ (۱)

اس طرح آیت میراث دراصل وصیّت امورہ سابقہ کی تشریح اور تفصیل ہے نہ کہ حکم سابق کا ارتفاع ہے نسخ کے وسیع مفہوم میں بیان حکم سابق بھی داخل ہے۔

آگے اور واضح کرتے ہیں:

من ان الوصیۃ للوارث کانت واجبۃ بھذہ الآیۃ من غیر تعیین لا نصائبھم فلما نزلت آیۃ المیراث بیانا للانصباء بلفظ الایصاء فھم منھا بتنبیہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان المراد ھذہ الوصیۃ التی کانت واجبۃ کانہ قیل ان اللّٰہ اوصی بنفسہ تلک الوصیۃ ولم یفوضھا الیکم فقام المیراث مقام الوصیۃ فکان ھذا معنی النسخ۔ (۲)

پس علامہ آلوسی کے نزدیک نسخ کا مفہوم رفع حکم سابق کے معنیٰ میں نہیں ہے بلکہ بیان حکم سابق کے قبیل سے ہے۔ اور حق تعالیٰ نے احکامِ میراث کے لیے بھی یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین فرمایا۔ پس میراث کے حصوں کی تشریح بھی بلفظ یوصیکم ہی آئی ہے۔ لہٰذا آیت میراث آیت وصیت کے قائم مقام ہے۔

(۱) روح المعانی ۲/۵۲۔ البقرہ۔ (۲) ایضاً ۲/۵۳

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

وصیت کی منسوخی

عام طور پر شہرت اسی کو ہے کہ آیت وصیت کی آیت وراثت سے منسوخی ہوگئی۔ چنانچہ خود علامہ آلوسی بھی لکھتے ہیں :

ثم ان هذ لحكم كان فى بدء الاسلام ثم نسخ بآيت المواريث كما قاله ابن عباس وابن عمر وقتادة وشريح ومجاهد وغيرهم وقد اخرج احمد وعبد بن حميد والترمذى وصححه والنسائى وابن ماجة عن عمرو بن خارجة رضى الله عنه ان النبى صلى الله عليه وسلم خطبهم على راحلته فقال ان الله قسم لكل انسان نصيبه من الميراث فلا تجوز لوارث وصية واخرج احمد والبيهقى فى سننه عن ابى امامة الباهلى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم فى حجة الوداع فى خطبته يقول ان الله قد اعطى كل ذى حق حقه فلا وصية لوارث و هذه الاحاديث لتلق الامة لها بالقبول انتظمت فى سلك المتواتر فى صحة النسخ بها عند ائمتنا بل قال البعض انها من المتواتر۔ (۱)

بلاشبہ یہ حدیثیں وصیت للوارث کے سلسلے میں واضح حکم بتلا رہی ہیں اور معنیً اسے متواتر قرار دیا جائے ـــــــ لیکن حقیقۃً نسخ وصیت کے لیے آیت مواریث کو بنیاد قرار دینا ہوگا ـــــــ اور یہ روایات اسی نسخ کی نوعیت کو بتلا رہی ہیں۔

وراثت سے محروم رشتہ دار کیلئے وصیت کرنا کیسا ہے؟

اس سلسلہ میں جمہور علماء کی رائے تو یہی ہے کہ وارثوں کے حق میں کلی طور پر وصیت کی منسوخی ہوگئی

---

(۱) روح المعانی ۲/۵۲

☆ امام مالک بن انس رحمہ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

اور جو رشتہ دار ایسے ہیں کہ ان کو وراثت سے کچھ نہیں ملتا ہے ان کے حق میں وصیت کا حکم مستحب ہے۔

لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب یہ ہے کہ جو ورثا اور رشتہ داریت کے مال سے حصہ پانے والے نہیں ہیں ان کے لیے وصیت کا حکم وجوبی باقی و برقرار ہے، اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ بھی ایسے اقارب کے لیے جو وراثت سے کچھ نہیں پاتے ہیں ان کے لیے وصیت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ امام محمد رح کے نزدیک محروم الارث لوگوں میں عام اقارب سے زیادہ والدین کی اہمیت ہے کہ ان کے لیے وصیت مقدم ہے۔ چنانچہ روح المعانی میں ہی اس بحث کے ذیل میں یہ تصریح ہے:

ان القائلین بالنسخ اختلفوا فمنهم من قال ان وجوبها صار منسوخا فی حق الاقارب الذین یرثون وبقی فی حق الذین لا یرثون من الوالدین والاقربین کان یکونوا کافرین والیه ذهب ابن عباس رضی اللہ عنه وروی عن علی کرم اللہ وجهه من لم یوص عند موته لذوی قرابته ممن لا یرث فقد ختم عمله بمعصیة۔ ومنهم من قال ان الوجوب صار منسوخا فی حق الکافة وهی مستحبة فی حق الذین لا یرثون والیه ذهب الاکثرون واستدل محمد بن الحسن بالآیة علی ان مطلق الاقربین لا یتناول الوالدین۔ (۱)

کیا وصیت کرنا شرعاً فرض ہے

اس بارے میں فقہ حنفی کی متداول کتاب ہدایہ آخرین صفحہ ۶۳۸ پر تصریح ہے:

الوصیة غیر واجبة وهی مستحبة۔

صاحب ہدایہ نے اس موضوع پر استحباب کی جہت پر گفتگو کرتے ہوئے یہ تحریر کیا ہے کہ عقل و درایت کی روشنی میں وصیت کا عمل تو درست ہی نہیں ہونا چاہیے کیوں کہ ایک شخص ایسی تملیک کر رہا ہے جس کا نفاذ اس وقت ہوگا جب وصیت کرنے والے کی ملکیت اس مال پر سے ختم ہو چکی ہوگی۔ اس لیے

(۱) روح المعانی ۲/۵۴

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

وصیت کا عمل تو بظاہر ایک لغو امر ہے، لیکن اس کی مشروعیت پر نص قرآنی سے لے کر احادیث نبویہ کی تصریحات موجود ہیں اور اس کے جواز پر اجماع امت ہے۔

استحساناً بھی وصیت ایک ایسا عمل خیر ہے کہ جس سے ایک شخص اپنے گذشتہ زندگی کی کوتاہیوں کی تلافی کرتا ہے اور جس افراط و تفریط میں مبتلا تھا اسے اپنے تبرع مالی کے ذریعہ صاف کرنا چاہتا ہے، پس یہ ایک معقول مقصد ہے۔

چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

القیاس یابی جوازها الخ الا انا استحسناه لحاجة الناس الیهافان الانسان مغرور بالمه نقصر فی عمله فاذا عرض له المرض وخاف البیات (الهلاک) یحتاج الی تلافی بعض ما فرط منه التزیط بماله علی وجه لومضی فیه یتحقق مقصده المالی ولو انهضه البرء یصرفه الی مطلبه الحالی۔

آیاتِ قرآنیہ دربارۂ وصیّت

قرآن حکیم میں آیاتِ وصیت کا جو اہتمام ہے تقریباً وہ ساری آیتیں اس مقالے کے آغاز میں ذکر کی گئی ہیں. جس سے یہ حقیقت سامنے آچکی کہ پہلی وصیت کا حکم وجوبی تھا۔

وصیّت حدیث کی روشنی میں

کتب حدیث سے وصیت کے بارے میں چند احادیث ملاحظہ کریں:

عن ابن عمر رضی اللّٰہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال ماحق امرء مسلم له شیٔ یرید ان یوصی فیه یبیت لیلتین وفی روایة ثلاث لیال الا ووصیة مکتوبة عنده۔ (۱)

کسی مسلمان کے لیے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ جس چیز کی وہ وصیت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے اسے

(۱) مسلم شریف کتاب الوصیۃ ۲/۴۹

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

صرف اپنے دل میں رکھے) تو اس پر دو تین راتیں بھی ایسی نہیں گزرنے پائے مگر یہ کہ اس کا نوشتہ وصیت نامہ اس کے پاس موجود نہ ہو۔

امام ترمذی رحمہ نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے۔

اس حدیث سے وصیت کے اہتمام کی طرف تنبیہ ہے۔

(۲) عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المحروم من حرم وصیۃ۔ (۱)

یعنی جس شخص نے باوجود مختلف حقوق اور تقاضوں کے سر پر واجب ہوتے ہوئے بھی وصیت نہیں کیا یا وصیت کرنے میں حد شرعی سے تجاوز کیا تو ایسا شخص بدنصیب ہے۔

(۳) عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من مات علی وصیۃ مات علی سبیلٍ و سنۃٍ ومات علی تُقیً وشہادۃ ومات مغفوراً لہ۔ (۲)

(۴) عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ الرجل لیعمل بعمل اہل الخیر سبعین سنۃ فاذا اوصیٰ جاف فی وصیۃ فیختم لہ بشر عملہ فیدخل النار وان الرجل لیعمل بعمل اھل الشر سبعین سنۃ فیعدل فی وصیۃ فیختم لہ بخیر عملہ فیدخل الجنۃ قال ابو ھریرۃ اقرأوان شئتم تلک حدود اللّٰہ۔ (۳)

اس حدیث کا حاصل مفہوم یہ ہے کہ ایک اطاعت گزار بندہ جو ایک لمبی مدت تک خیر و طاعت کی زندگی گزارتا ہے لیکن وصیت کرتے وقت وارثوں کو ضرر پہونچانے کے غلط جذبہ سے حد سے تجاوز کر گیا تو وہ جہنمی ہے۔ اسی طرح ایک شخص طویل زندگی حقوق و ذمہ داری سے آزاد ہو کر گزارتا رہا اور پھر اس نے وصیت کے وقت عدل کی راہ اختیار کی تو وہ جنتی ہے۔

(۱) ابن ماجہ / ۱۹۸ باب علی الوصیۃ (۲) ابن ماجہ / ۱۹۸ (۳) ایضاً / ۱۹۸

(۵) عن معاویة بن قرة عن ابیه قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من حضرته الوفات اوالموت فارمی وکانت وصیته علی کتاب اللّٰه کانت کفارة لماترك من زکوته فی حیاته - (۱)

یعنی جس نے کتاب اللہ کے حکم کی روشنی میں قبل از مرگ وصیت کی تو زندگی میں جو زکوٰۃ ادا نہیں کیا اس کا کفارہ یہ وصیت خیر بن جائے گی۔

(۶) عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ان اللّٰه تصدق علیکم عند وفاتکم بثلث اموالکم زیادة لکم فی اعمالکم - (۲)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو مرنے کے قریب اپنے تہائی مال کے صدقہ کے ذریعہ تمہیں اپنے اعمال کے اندر اضافہ کا موقع بخشا ہے۔

ان روایات کی بنا پر وصیت کی جو تاکید اور اہمیت سمجھ میں آتی ہے وہ ظاہر ہے اسی وجہ سے وصیت کے بارے میں علماء مختلف الرائے ہیں۔ اسی وجہ سے عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

ما مرّت علی لیلة منذ سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال ذلك الا عندی وصیتی -

علامہ نووی رح شرح مسلم میں فرماتے ہیں:

تداجمع المسلمون علی الامر بها ولکن مذهبنا ومذهب الجماهیر انها مندوبة لا واجبة - وقال داؤد وغیره من اهل الظاهر هی واجبة لهذا الحدیث - ولا دلالة لهم فیه فلیس فیه تصریح بایجابها. لکن ان کان علی الانسان دین اوحق او عنده ودیعة ونحوها لزمها الایصاء بذلك وقال الشافعی رح معنی الحدیث الحزم الاحتیاط للمسلم الا ان تکون وصیة عنده مکتوبة عنده ویستحب تعجیلها وان یکتبها فی صحته ویشهد علیه فیها ویکتب فیها مایحتاج الیه

(۱) ابن ماجة باب الوصیة /۱۶۸ (۲) ایضاً

فان تجد له امر يحتاج الى الوصية به الحقه بها۔ وقالوا ولا يكلف

ان يكتب كل يوم محقرات المعاملات وجزئيات الامور المتكررة۔(۱)

یعنی اگر کسی شخص کے ذمہ کوئی اہم واجب الاداء تقاضے ہوں کسی طرح کی امانت و دلیعت ہو، یا لوگوں کے دیون وحقوق تو ایسی صورت میں وصیت کرنا واجب ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی اور غیر اہم امور کی وصیت کا مکلف انسان نہیں ہے۔

البتہ وصیت کے لیے کتابت بھی ہو اور اس پر گواہی بھی ثبت کرائی جائے۔ بعض علماء صرف کتابت اور تحریر کو ہی کافی سمجھتے ہیں۔

وصیت کی چار قسمیں

علامہ شامی نے وصیت کے ذیل میں یہ تفصیل ذکر کی ہے کہ وصیت کی چار قسمیں ہیں اور ہر ایک کی حیثیت جداگانہ ہے۔

وصیت واجبہ وصیت مستحبہ وصیت مباح وصیت مکروہہ

قوله: والوصية اربعة اقسام واجبة كالوصية برد الودائع والديون المجهولة، ومستحبة كالوصية بالكفارات وفدية الصلوٰة والصيام ونحوها، ومباحة كالوصية للاغنياء من الاجانب والاقارب۔ ومكروهة كالوصية لاهل الفسوق والمعاصي۔

صاحب درمختار کی تصریح یہ ہے:

وهي على في المجتبى اربعة اقسام واجبة[۱] بالزكوٰة والكفارة وفدية الصيام والصلوٰة التى فرط فيها، ابإحة[۲] لغنى ومكروهة[۳] لاهل الفسوق والا فمستحبة۔

علامہ کاسانی نے بدائع میں فرائض و واجبات جیسے حج، زکوٰۃ اور کفارات کو وصیت واجبہ میں

(۱) شرح مسلم للنووی ۳۹/۲

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

شمار کیا ہے۔ چنانچہ علامہ شامی نے اسی ضمن میں وہ عبارت بھی ذکر کی ہے:

قولہ: لما قالہ فی البدائع الوصیۃ بما علیہ من الفرائض والواجبات کالحج والزکوٰۃ والکفارات واجبۃ ومشی الزیلعی علی ما فی البدائع وفی المواھب تجب علی مدیون بما علیہ للہ تعالیٰ او للعباد وھذا ما علیہ المصنف فی (المتن)۔

اس طرح کچھ فقہاء نے حج، زکوٰۃ اور نماز وغیرہ کو وصیت واجبہ میں داخل کیا ہے، جب کہ جمہور احناف کا راجح قول یہ ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وصیت مستحبہ کے ذیل میں داخل ہے۔

کتنے مال کی وصیّت مستحب ہے

ویستحب ان یوصی الانسان بدون الثلث سواء کانت الورثۃ اغنیاء او فقراء ۔(۱)

صاحب ہدایہ نے وجہ اس کی یہ ذکر کی ہے ایک تہائی سے کم میں وصیت ہوگی تو وارثوں کے ساتھ صلہ رحمی زیادہ ہوگی کہ ان کو زیادہ مالی فائدہ پہونچا۔

صاحب ہدایہ نے تو تہائی مال سے کم کے اندر وصیّت کرنے نہ کرنے کی نوعیت پر بحث کرتے ہوئے ایک محاکمہ لکھا ہے:

اگر ورثہ فقراء ہوں تو ترک وصیت اولیٰ ہے اس لیے کہ اس میں حق قرابت کا خاص لحاظ ہوگا اور اگر ورثہ اغنیاء ہوں تو وصیت علی الاجنبی اولیٰ ہے کیوں کہ یہاں صدقہ کا پہلو ہی زیادہ نمایاں ہے۔ کچھ فقہاء ایسی صورت میں موصی کو اختیار دیتے ہیں کہ وہ جس فضیلت کو چاہیں حاصل کریں، صلہ رحمی کی فضیلت یا صدقہ کی فضیلت۔

چنانچہ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

ثم الوصیۃ باقل من الثلث اولیٰ ام ترکھا ــــ قالوا ان کانت الورثۃ

(۱) ھدایہ م/۶۴۱ (۲) ھدایہ م/۶۴۲

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

فقراء ولا یستغنون بما یرثون فالترک اولی لما فیہ من الصدقۃ علی القریب وقد قال علیہ السلام افضل الصدقۃ علی ذی الرحم الکاشح ولان فیہ رعایۃ حق الفقراء والقرابۃ جمیعا۔

وان کانوا اغنیاء او یستغنون بنصیبہم فالوصیۃ اولی لانہ یکون صدقۃ علی الاجنبی والترک ہبۃ من القریب والأولی اولی لانہ یبتغی بہا وجہ اللّٰہ۔

وقیل فی ہذا الوجہ یخیّر لاشتمال کل منہما علی فضیلۃ وہو الصدقۃ والصلۃ فیخیّر بین الخیرین۔

کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وصیت فرمائی تھی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری جماعت انبیاء علیہم السلام کے بارے میں یہ رہنمائی فرمائی کہ

نحن معاشر الانبیاء لانرث ولانورث ماترکناہ فہو صدقۃ۔

اس لیے مال کے سلسلہ میں کوئی وصیت کرنا تو نہ نبی کے لیے زیبا ہے اور نہ نبی کے پاس کوئی دنیاوی مال ومتاع کی ملکیت ہوتی ہے کہ وہ مالی تبرع کر کے جائیں ـــــ بلکہ نبی کی پوری زندگی تو احکام الٰہی کی دعوت اور اسی کی وصیت میں گزرتی ہے اور ہمیشہ آپؐ نے اللہ کے بھیجے ہوئے لازوال آئین ودستور حیات کا پابند رہنے کا حکم فرمایا۔

امام ترمذی رحؒ نے ایک حدیث اس باب کے ذیل میں تخریج فرمائی ہے:

باب ما جاء ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم لم یوص۔

عن طلحۃ بن مصرف قال قلت لابن ابی اوفی اوصی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال لا قلت وکیف کتبت الوصیۃ وکیف امر الناس قال اوصی بکتاب اللّٰہ۔

(۱) ترمذی ۲/۳۳

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

حاشیہ ترمذی بحوالہ مجمع البحار یہ درج ہے کہ

لم یوص صلی اللہ علیہ وسلم بثلث مالہ ولا غیرہ کما یزعمہ الشیعۃ ــــ وھذا لا ینفی وصیۃ باھل بیتہ وباخراج المشرکین من جزیرۃ العرب وبکتاب اللہ۔

اس سے معلوم ہوا کہ وصیت مالیہ تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمائی البتہ کتاب اللہ پر مضبوطی سے عمل کرنے کی وصیت فرمائی ــــ اسی طرح آپ نے جزیرۃ العرب سے مشرکوں کو نکالنے کی تاکیدی ہدایت بطور وصیت آنے والے خلفاء کو فرمائی۔

عرف الشذی علی جامع الترمذی اسی روایت کے ذیل میں ہے:

ای لم یوص فی امر الدنیا فی المال بل فی امور الدین مثل استخلاف ابی بکر وبعث اسامۃ وغیرھا۔ (۱)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قاضیوں، عالموں اور مبلغوں کو خاص طور پر بالفاظ وصیت اہم ذمہ داریاں بتلائے۔ جس کے لیے بہت ساری احادیث ہیں۔ نمونہ کے طور پر چند حدیثیں درج ہیں:

عن معاذ بن جبل قال لما بعثہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الیمن خرج معہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوصیہ ومعاذ راکب ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمشی تحت راحلتہ فلما فرغ قال یا معاذ انک عسیٰ ان لا تلقانی بعد عامی ھذا ولعلک ان تمر بمسجدی ھذا وقبری فبکی معاذ جشعا لفراق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم التفت فاقبل بوجھہ نحو المدینۃ فقال ان اولی الناس بی المتقون من کانوا وحیث کانوا۔ رواہ احمد۔ (۱)

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابی معاذ کو اس حال میں وصیت فرما رہے ہیں کہ معاذ سواری پر سوار ہیں اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سواری کے نیچے ہیں: اے معاذ شاید اس سال کے بعد اب میری ملاقات

(۱) مشکوٰۃ ۴۴۷

☆ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۶۴ ہجری اور سن وصال ۲۴۱ ہجری ہے ☆

تجھ کو نصیب نہ ہو اور بجائے میرے میری قبر کی زیارت کروگے، یہ سن کر حضرت معاذ پر گریہ طاری ہوگیا اور اس کیفیت میں حضرت نے فرمایا کریاد رکھو مجھ سے قریب تر وہی لوگ ہوں گے جو تقویٰ کی نعمت رکھنے والے ہوں، خواہ وہ کسی بھی خاندان و قبیلہ کے ہوں یا کسی ملک و شہر کے ہوں۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الناس لکم تبع وان رجالا یاتونکم من اقطار الارض یتفقھون فی الدین فاذا اتوکم فاستوصوابھم خیرا۔ (رواہ ترمذی) (۱)

وصیّت اور دَین میں کون مقدم ہے؟

اسلامی دستور کے مطابق میت کی تجہیز و تکفین کے بعد کل مال سے میت کے ذمہ کا دین اور قرض ادا کیا جائے گا ــــــ پھر جو مال بچے گا اس میں سے ایک تہائی مال میں وصیت نافذ و جاری ہوگی۔ اگر ثلث مال سے وصیت زیادہ ہو تو اس وصیت کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔

قاعدہ کے مطابق تو دین کی ادائے گی وصیت کے نافذ کرنے سے پہلے ہوگی، خدانخواستہ اگر کل مال دین کی ادائے گی میں ہی لگ جائے تو پھر ایسی صورت میں وصیت کے نافذ ہونے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوگا اور نہ میراث کا سوال ہوگا۔

آیت وراثت میں جگہ بہ جگہ وصیت کا ذکر دین سے پہلے کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیت کا حق دین سے مقدم ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس غلط فہمی کو رفع کرتے ہوئے فرمایا:

انکم تقرؤن ھذہ الآیۃ: من بعد وصیۃ توصون بھا اودین، وان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قضی بالدین قبل الوصیۃ۔ (۲)

اس سے یہ معلوم ہوا کہ عملاً وصیت مؤخر ہے۔ اب رہا کہ لفظاً وصیت کا ذکر بار بار مقدم کیوں کیا گیا۔ اس سلسلہ میں صاحب روح المعانی لکھتے ہیں:

(۱) رواہ الترمذی بحوالہ مشکوٰۃ باب العلم/۳۴ (۲) مشکوٰۃ بحوالہ ترمذی/۲۶

کیا آپ کو معلوم ہے کہ: ☆ قانونِ شریعت ہی کا دوسرا نام فقہِ اسلامی ہے ☆

وتقديم الوصية على الدين ذكرا مع ان الدين مقدم عليها حكماً

لاظهار كمال العناية بتنفيذها لكونها مظنة للتفريط في ادائها

حيث انها توخذ كالميراث بلا عوض فكانت تشق عليهم الخ ۔ (۱)

یعنی آیت میں دَین پر وصیت کی تقدیم کی وجہ یہ ہے کہ چوں کہ وہ میراث کی طرح بغیر کسی عوض کے ملتی ہے اور اس میں رشتہ دار ہونا بھی ضروری نہیں اس لیے وارثین کی جانب سے اس کو نافذ کرنے میں کوتاہی ہونے یا دیر ہو جانے کا قوی اندیشہ تھا ـــــــ اپنے مورث کا مال کسی کے پاس جاتا ہوا دیکھنا اس کو ناگوار ہو سکتا تھا، اس لیے شان وصیت کا اہتمام فرماتے ہوئے دَین پر اس کو مقدم کیا گیا۔ (۲)

پھر یہ بھی بات ہے کہ قرض کا ہر میت پر ہونا ضروری نہیں ہے اور اگر زندگی میں رہا ہو تو موت تک اس کا باقی رہنا بھی ضروری نہیں اور اگر موت کے وقت موجود بھی ہو تب بھی چوں کہ اس کا مطالبہ حقدار کی طرف سے ہوتا ہے اس لیے ورثہ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ اس وجہ سے اس میں کوتاہی کا احتمال بہت کم ہے۔ بخلاف وصیت کے کہ جب میت مال چھوڑتا ہے تو اس کا یہ بھی دل چاہتا ہے کہ صدقہ جاریہ کے طور پر اپنے مال کا حصہ کسی کار خیر میں صرف کر جائے۔ یہاں چوں کہ اس مال میں کسی کی طرف سے مطالبہ نہیں ہوتا اس لیے وارثوں کی طرف سے کوتاہی کا امکان تھا جس کا سدباب کرنے کے لیے بطور خاص ہر جگہ وصیت کو مقدم کیا گیا۔ (۳)

عمدہ لکھائی ـــــــ بہترین چھپائی
مسوّدہ دیجئے ـــــــ کتاب لیجئے
جمیل برادرز
ـــــ ناظم آباد، کراچی ـــــ

---

(۱) روح المعانی ۴/۲۲۷

(۲) معارف القرآن ۲/۳۲۹

(۳) معارف القرآن ۲/۳۲۹

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں